اسلام میں خدمتِ خلق کا تصور

ڈاکٹر اسرار احمد حفظہ اللہ
صدر مؤسس مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور

خدمتِ خلق کا عمومی تصور: دُنیوی فلاح و بہبود

جہاں تک خدمت خلق کے عمومی تصور کا تعلق ہے، یعنی نسل انسانی کے ان افراد کی خدمت و امداد جو یتیمی یا بیوگی کی بنا پر یا کسی بیماری یا حادثے کے سبب سے یا کسی اور مجبوری و معذوری کے باعث معاشی دوڑ میں پیچھے رہ جائیں اور خود اپنے پاؤں پر کھڑے نہ ہوسکیں، تو اسلامی تعلیمات میں اس پر بھی زور و تاکید میں ہرگز کوئی کمی نہیں، بلکہ میری محدود معلومات کی حد تک اس کی جتنی تاکید اسلام میں ہے اتنی نہ کسی اور مذہب میں موجود ہے اور نہ کسی دوسرے نظامِ فکر میں۔ تاہم اس میدان میں اسلام کی اصل contribution یہ ہے کہ اس نے خدمت خلق کے تصور کو دو ایسی نئی سمتیں (dimensions) عطا کی ہیں جو عام طور پر اس میں شامل نہیں سمجھی جاتیں۔

اسلام میں انسانی ہمدردی کی تاکید

خدمت خلق کی تاکید اور اہمیت کے ضمن میں چند آیاتِ قرآنی اور احادیثِ نبویہ کا حوالہ کافی ہوگا:

(۱) مذہب کے عام رسم پرستانہ تصور (Ritualistic Concept) کے مطابق اسلام کے بارے میں بھی عام تصور یہ قائم ہوگیا ہے کہ اس میں اصل اہمیت عبادات کی ہے۔ یہ غلط فہمی جب مزید پختہ ہوتی ہے تو عبادات کے بھی صرف ظاہری

پہلو سے دلچسپی باقی رہ جاتی ہے اور ان کی اصل روح کی جانب توجہ باقی نہیں رہتی۔ ان غلط تصورات کی نفی اور تردید کے ضمن میں سورۃ البقرۃ کی آیت ۱۷۷' جسے آیۂ بر کا نام دیا جا سکتا ہے' حد درجہ اہمیت کی حامل ہے:

﴿لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴿۱۷۷﴾﴾

''نیکی صرف یہی نہیں ہے کہ تم اپنے رُخ مشرق و مغرب کی جانب کر لو' بلکہ اصل نیکی اس کی ہے جو ایمان لایا اللہ پر' اور یومِ قیامت پر اور فرشتوں پر اور آسمانی کتابوں پر اور نبیوں پر' اور خرچ کیا اُس نے مال' اس کی محبت کے علی الرغم رشتہ داروں پر اور یتیموں پر اور محتاجوں پر اور مسافروں پر اور سائلوں پر اور (لوگوں کی) گردنوں کو (غلامی یا قرض وغیرہ کے بندھنوں سے) آزاد کرانے میں' اور قائم کی نماز اور ادا کی زکوٰۃ' اور پورا کرنے والے اپنے عہد کے جب باہم کوئی معاہدہ کر لیں اور خصوصاً صبر کرنے والے فقر و فاقہ پر اور مصائب و تکالیف پر اور جنگ کے میدان میں' یہی لوگ ہیں حقیقت میں راست باز اور یہی ہیں فی الواقع متقی!''

اس آیۂ مبارکہ میں ایمان کے فوراً بعد' صلوٰۃ و زکوٰۃ سے بھی پہلے جو ارکان اسلام میں سے ہیں' ذکر کیا گیا ابنائے نوع کی ہمدردی و مواسات کا۔ اور ان کی تکالیف کے رفع کرنے یا ضروریات کے پورا کرنے میں اپنا مال صرف کرنے کا!

(۲) آیۂ بر میں جو بات نہایت تفصیل سے بیان ہوئی اسے حد درجہ اجمال کے ساتھ بیان کر دیا گیا سورۂ آل عمران کی آیت ۹۲ میں جس سے قرآن حکیم کا چوتھا پارہ شروع ہوتا ہے۔ یعنی: ﴿لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ﴾ ''تم نیکی کا رتبہ ہرگز حاصل نہیں کر سکتے جب تک (اللہ کی راہ میں) اپنی محبوب چیزیں نہ صرف کر

سکو!'' گویا انسانی ہمدردی کے وصف کے بغیر ایک انسان خواہ عالم بن جائے خواہ عابد' خواہ مفسر بن جائے خواہ محدث اور خواہ فقیہہ بن جائے خواہ مفتی' از روئے قرآن حکیم نیک ہرگز نہیں قرار پاسکتا۔

(۳) یہی حقیقت ہے جسے آنحضور ﷺ نے حد درجہ فصاحت و بلاغت اور ایجاز و اعجاز کے ساتھ بیان فرمایا ان الفاظ مبارکہ میں کہ:

((مَنْ يُّحْرَمِ الرِّفْقَ فَقَدْ حُرِمَ الْخَيْرَ كُلَّهٗ))

''جو شخص دل کی نرمی اور رقت قلب سے محروم ہو گیا وہ کُل کے کُل خیر سے محروم ہو گیا!''

(۴) اس مضمون کے اعتبار سے اس سے بھی زیادہ اہم اور واضح مقام قرآن حکیم کے آخری پارے میں سورۃ البلد میں ہے' جہاں اوّلاً اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنے احسانات کا ذکر فرمایا ہے اور پھر شکوے کے انداز میں فرمایا ہے کہ: ﴿فَلَا اقْتَحَمَ الْعَقَبَةَ ﴿۱۱﴾﴾ (البلد) ''پس انسان گھاٹی کو عبور نہ کر سکا۔'' پھر فرمایا: ﴿وَمَا اَدْرٰىكَ مَا الْعَقَبَةُ ﴿۱۲﴾﴾ ''اور تم کیا جانو کہ وہ گھاٹی کون سی ہے؟'' پھر ارشاد فرمایا: ﴿فَكُّ رَقَبَةٍ ﴿۱۳﴾ اَوْ اِطْعٰمٌ فِيْ يَوْمٍ ذِيْ مَسْغَبَةٍ ﴿۱۴﴾ يَّتِيْمًا ذَا مَقْرَبَةٍ ﴿۱۵﴾ اَوْ مِسْكِيْنًا ذَا مَتْرَبَةٍ ﴿۱۶﴾﴾ ''گردنوں کا (بندھنوں سے) چھڑا دینا' اور قحط کے دن کھانا کھلانا' کسی یتیم کو جو قرابت دار بھی ہے' یا کسی محتاج کو جو مٹی میں رُل رہا ہے''۔ اور اس کے بعد فرمایا: ﴿ثُمَّ كَانَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ وَتَوَاصَوْا بِالْمَرْحَمَةِ ﴿۱۷﴾﴾ (البلد) ''پھر شامل ہو اوہ اُن لوگوں میں جو ایمان لائے اور جنہوں نے باہم ایک دوسرے کو نصیحت کی صبر کی اور ایک دوسرے پر شفقت و رحمت کی۔'' گویا یہاں انسانی ہمدردی اور خدمتِ خلق کو مقدم کر دیا گیا خود ایمان پر جو دین کی اہم ترین اور بنیادی حقیقت ہے۔ اس سے اصلاً اشارہ کیا گیا ہے اس حقیقت کی جانب کہ ایمان کا بیج صرف ان لوگوں کی شخصیتوں میں پوری طرح بار آور ہوتا ہے جن میں انسانی ہمدردی کا یہ بنیادی وصف موجود ہو۔ اس کے برعکس بخیل اور کٹھور دل لوگوں کے دلوں کی زمین خود ایمان کے بیج کو ضائع کر دیتی ہے۔

(۵) آنحضور ﷺ کی سیرت مبارکہ جو در اصل قرآن ہی کی تفسیر کامل ہے' اسی

حقیقت کی نمایاں ترین مثال ہے۔ آغازِ وحی سے قبل آنحضورﷺ کی سیرت مطہرہ میں یہ تمام اوصاف بتمام و کمال اور بدرجۂ اتم موجود تھے۔ چنانچہ جب پہلی وحی آئی اور آپؐ پر بربنائے طبع بشری کسی قدر گھبراہٹ طاری ہوئی تو آپؐ کی زوجہ محترمہ اُمّ المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ ؓ نے انہی الفاظ میں آپؐ کو دلاسا دیا کہ ''اللہ آپ کو ہرگز ضائع نہیں کرے گا' آپؐ یتیموں اور بیواؤں کی سرپرستی فرماتے ہیں' محتاجوں اور مسکینوں کی دستگیری فرماتے ہیں اور مسافروں اور بے آسرا لوگوں کی خدمت کرتے ہیں!'' اور اسی کا کامل پرتو اور مکمل عکس ہے حضرت صدیق اکبر ؓ کی سیرت میں کہ جب آپؓ ہجرتِ حبشہ کے ارادے سے مکہ سے نکلے تو ابن الدغنہ یہ کہہ کر باصرار انہیں واپس لے آیا کہ ''ہم ہرگز آپ کو جانے نہیں دیں گے۔ آپ تو غریبوں اور مسکینوں کے غمگسار اور یتیموں اور بیواؤں کے سرپرست ہیں''۔

(۶) یہی سبب ہے کہ قرآن حکیم جملہ اخلاقِ حسنہ کی جڑ اور اساس ''جود و سخا'' کو قرار دیتا ہے اور تمام اوصافِ رذیلہ کی بنیاد ''بخل'' کو ٹھہراتا ہے۔ جیسے سورۃ اللیل میں فرمایا: ﴿فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰی وَاتَّقٰی ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰی ۝ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰی ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰی ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰی ۝﴾ ''جو جود و سخا اور تقویٰ سے متصف ہے' اور ہر اچھی بات کی تصدیق کرتا ہے' اسے تو ہم رفتہ رفتہ سب سے بڑی آسانی (یعنی جنت) تک پہنچا دیں گے۔ اور جو بخیل ہے اور بے پرواہی اختیار کرتا ہے' اور اچھی بات کی تکذیب کرتا ہے' تو اسے ہم رفتہ رفتہ سب سے بڑی مشکل (یعنی دوزخ) کا نوالہ بنا دیں گے!''

(۷) قرآن حکیم کی ان آیاتِ مبارکہ پر اگر اضافہ کر لیا جائے ان احادیث نبویہ علیٰ صاحبہا الصلاۃ والسلام کا کہ آپؐ نے فرمایا: (i) اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ ''دین تو نام ہی خیر خواہی کا ہے''۔ (ii) خَيْرُ النَّاسِ مَنْ يَّنْفَعُ النَّاسَ ''لوگوں میں سے بہترین شخص وہ ہے جو لوگوں کو فائدہ پہنچائے''۔ (iii) لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰی يُحِبَّ لِاَخِيْهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک وہ اپنے بھائی کے

لیے بھی وہی کچھ پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے''۔ اور (iv) لَيْسَ الْمُؤْمِنُ بِالَّذِيْ يَشْبَعُ وَجَارُهٗ جَائِعٌ بِجَنْبِهٖ ''مؤمن کبھی ایسا نہیں ہوسکتا کہ خود پیٹ بھر لے درآنحالیکہ اس کا پڑوسی بھوکا ہو!'' تو یہ بات بالکل کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اسلام انسانی ہمدردی اور خدمت خلق پر کس قدر زور دیتا ہے! (v) اس ضمن میں چوٹی کی حدیث وہ ہے جس کی رو سے کل مخلوق کو اللہ کا کنبہ قرار دیا گیا ہے۔ اَلْخَلْقُ عِيَالُ اللّٰهِ (vi) اور اسی کی شرح ہے جو بیان ہوئی ایک حدیث قدسی میں جس کی رو سے قیامت کے روز اللہ تعالیٰ انسان سے شکوہ کرے گا کہ ''اے میرے بندے! میں بھوکا تھا' میں نے تجھ سے کھانے کو مانگا لیکن تو نے مجھے کھانا نہ دیا' اور اے میرے بندے! میں ننگا تھا' میں نے تجھ سے کپڑے مانگے لیکن تو نے مجھے کپڑے نہ پہنائے'' جس پر بندہ اظہارِ تعجب کرے گا کہ ''اے ربّ! تو تو اِن تمام احتیاجات سے پاک ہے!'' تو اللہ فرمائے گا کہ ''میرے فلاں فلاں بندوں نے جب تیرے سامنے دستِ سوال دراز کیا تھا تو اُن کے پردے میں اصل سائل میں ہی تو تھا!''

گویا قرآن اور حدیث کی تعلیمات کی روشنی میں بالکل غلط نہیں کہا جس نے کہا کہ:

دردِ دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو ورنہ طاعت کے لیے کچھ کم نہ تھے کرّ وبیاں

اور:

''طریقت بجز خدمت خلق نیست تسبیح و سجادہ و دلق نیست!''

اور ع

''دل بدست آور کہ حج اکبر است''

خدمتِ خلق کے تصور کی تکمیل

لیکن جیسا کہ میں بیان کر چکا ہوں' اس میدان میں اسلام کی اصل contribution یہ ہے کہ اس نے خدمتِ خلق کے تصور کو دو نئے اعراض واَبعاد یعنی

dimensions عطا کیے' جن میں سے ایک کا تعلق ہے اسلام کے اساسی نظریات و معتقدات سے اور دوسرے کا تعلق ہے انسان کے اجتماعی نظام سے۔

اُخروی فوز و فلاح

چونکہ اسلام کے نزدیک انسان کی اصل زندگی دُنیوی زندگی نہیں بلکہ اُخروی زندگی ہے جو ابدی و لامتناہی ہے۔ بجوائے الفاظِ قرآنی: ﴿وَالْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّاَبْقٰی﴾ ''اور آخرت بہتر بھی ہے اور باقی رہنے والی بھی''۔ اور: ﴿وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَۃَ لَھِیَ الْحَیَوَانُ لَوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ﴾ ''اور اصل زندگی تو آخرت کی زندگی ہے' کاش انہیں معلوم ہوتا!'' اور بقول علامہ اقبال: ؎

تو اسے پیمانۂ امروز و فردا سے نہ ناپ
جاوداں' پیہم دواں' ہر دم جواں ہے زندگی!

لہٰذا اسلام کے نزدیک اصل فلاح و بہبود اور حقیقی کامیابی و کامرانی آخرت کی فلاح و بہبود اور آخرت کی کامیابی و کامرانی ہے۔ چنانچہ اسی بنیاد پر اسلام میں انسانی ہمدردی اور خدمتِ خلق کے تصور میں ایک بالکل نیا مفہوم پیدا ہو جاتا ہے' اور وہ ہے انسانوں کی اُخروی نجات اور اُخروی فوز و فلاح کی فکر اور اس کی سعی و جہد! اور ظاہر ہے کہ اس میں ہرگز کوئی شک نہیں کہ اگر تو زندگی بس یہی دنیا کی زندگی ہے' اس کے بعد کوئی دوسری زندگی نہیں' تب تو اصل فلاح و بہبود یہیں کی فلاح و بہبود اور اصل عیش و آرام اسی دنیا کا عیش و آرام ہے۔ بقول شاعر: ع

بابر بہ عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست!

اور خدمتِ خلق کا تصور بھی اسی حد تک محدود رہے گا کہ بھوکوں کو کھانا کھلا دیا جائے' ننگوں کو کپڑے پہنا دیے جائیں' بیماروں کی دوا دارو و علاج معالجے کا بندوبست کر دیا جائے' محتاج گھر اور یتیم خانے کھول دیے جائیں' معذور لوگوں یعنی اندھوں' بہروں' لولوں' لنگڑوں اور ناقابلِ علاج امراض میں مبتلا لوگوں کے آرام و آسائش اور دلداری و دلجوئی کا اہتمام کیا جائے' لیکن اگر معاملہ دوسرا ہے اور اصل زندگی موت کی

سرحد کے پار واقع ہوئی ہے اور وہ 'جاوداں' بھی ہے اور 'پیہم دواں' بھی تو اصل حقیقت وہ قرار پائے گی جو غزوۂ احزاب کے موقع پر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مقدس زبانوں پر بایں الفاظ جاری ہوئی کہ ع :

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلاَّ عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ

''اے اللہ! آخرت کے عیش کے سوا کوئی عیش نہیں''!

گویا اصل عیش ہے تو صرف آخرت کا اور اصل آرام وچین ہے تو صرف وہاں کا۔ اور اصل فوز وفلاح ہے تو اُخروی اور اصل کامیابی وکامرانی ہے تو آخرت کی۔ چنانچہ خلق کی اصل خدمت بھی یہ ہوگی کہ اس کی آخرت وعاقبت کو سنوارنے کی فکر کی جائے اور اسے ہمیشہ کے عذاب سے بچا کر دائمی امن وسکون اور آرام واطمینان کی راہ پر ڈالا جائے۔ اور اصل خادمِ خلق وہ ہوگا جو خلق کی ہدایت کے لیے کوشاں ہو اور اس کی ابدی وسرمدی فوز وفلاح کے لیے اپنی جان' اپنا مال' اپنی قوتیں اور صلاحیتیں اور اپنا وقت صرف کرے! چنانچہ یہی ہے خدمتِ خلق کا وہ تکمیلی مرحلہ جس میں صرف ہوا آغازِ وحی کے بعد سے آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا ایک ایک لمحہ' اور جس میں صرف ہوئیں آپؐ کے جسم وجان کی جملہ قوتیں اور توانائیاں! اور اس میں اس درجہ انہماک تھا آپؐ کو کہ نہ صبح اس سے فارغ تھی نہ شام اور نہ دن اس سے خالی تھا نہ رات! چنانچہ دن کے اوقات میں اس کے لیے سرگرمی اور دوڑ دھوپ تھی دعوت وتبلیغ اور انذار وتبشیر کی صورت میں تو رات کی گھڑیوں میں اسی کے لیے مشغولیت تھی اللہ تعالیٰ سے خلق کی ہدایت کی دعا واستدعا کی شکل میں! **فصلی اللہ علیه وآله واصحابه وسلم تسلیما کثیرا' وفداه آباء نا وامهاتنا!!**

اسی کیفیت کو ایک تمثیل کے پیرائے میں بیان کیا ہے آنحضور ﷺ نے کہ ''میری اور تمہاری مثال ایسے ہے کہ آگ کا ایک بہت بڑا گڑھا ہے جس میں تم گر پڑنا چاہتے ہو اور میں تمہارے کپڑے پکڑ پکڑ کر گھسیٹ رہا ہوں!'' اس کیفیت کا احساس کسی درجے میں ہم خود بھی کر سکتے ہیں کہ اگر سڑک پر کوئی اندھا جا رہا ہو اور ہم دیکھیں کہ

آگے گڑھا ہے جو اس غریب نابینا انسان کو نظر نہیں آ رہا تو کون خادمِ خلق ہو گا جو اسے چیخ کر خبر دار کرنے اور اگر وہ بہرا بھی ہو تو دوڑ کر اس کا ہاتھ پکڑ کر روکنے کی کوشش نہ کرے گا! بس اسی پر قیاس کر لیجیے کہ اگر کسی کی باطنی حس بیدار ہو جائے اور وہ آگ کے اس عظیم گڑھے کا مشاہدہ اپنی باطنی بصیرت سے کر لے جسے جہنم کہتے ہیں اور جس کی جانب بے خبری و لاعلمی میں اس کے دوست' احباب' اعزہ' اقرباء' حتیٰ کہ تمام ابنائے نوع پورے جوش و خروش کے ساتھ بڑھے جا رہے ہوں تو کیا وہ دیوانہ وار اُن کو خبر دار کرنے کی کوشش نہ کرے گا اور اپنی تمام توانائیاں اور قوتیں نوعِ انسانی کو اس دردناک انجام سے بچانے میں نہ کھپا دے گا؟ اور کیا اس کی اس وارفتگی میں بھوکوں کے پیٹ بھرنے اور ننگوں کے تن ڈھانپنے کی فکر بھی وقتی طور پر دب کر نہ رہ جائے گی؟ اس لیے کہ کسی کی پیٹ میں لگی ہوئی بھوک کی آگ بجھانے سے کیا حاصل اگر وہ کل کا کل آگ کا نوالہ بنا جا رہا ہو؟ اور کسی کی کسی وقتی اور فوری تکلیف اور عارضی احتیاج کو رفع کرنے کا کیا فائدہ جبکہ وہ دائمی اور مستقل عذاب کے راستے پر سرپٹ دوڑا جا رہا ہو؟ تاہم یہ بات میں نے صرف بغرضِ تفہیم عرض کی ہے' ورنہ منطقی طور پر درست ہونے کے باوجود یہ بات مطابق واقعہ نہیں ہے۔ اس لیے کہ اسلام میں جب دعوت و تبلیغ کا اصل محرک ہی خلق خدا کے ساتھ خلوص و اخلاص اور ان کی خیر خواہی و ہمدردی کا جذبہ ہے تو کیسے ممکن ہے کہ کوئی داعیِ حق کسی کو تکلیف میں دیکھے اور تڑپ نہ اٹھے' اور اگر اس کی تکلیف رفع کرنے پر کسی درجہ میں قادر ہو تو تن من دھن سے اس پر آمادہ نہ ہو جائے' بقول شاعر ؎

خنجر چلے کسی پہ تڑپتے ہیں ہم امیر
سارے جہاں کا درد ہمارے جگر میں ہے!

یہ عرض کرنا غالباً تحصیل حاصل شمار ہو گا کہ آنحضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دور کے بعد انسان دوستی' ابنائے نوع کی ہمدردی اور خدمتِ خلق کے اس ابتدائی اور عمومی اور اسلام کے نظامِ معتقدات کی رو سے تکمیلی تصورات کی جامعیت کے نمونے نظر آتے ہیں صرف صوفیائے کرام کی شخصیتوں میں' جن کی دعوت و تبلیغ کا اصل محرک

صرف خلق خدا کی خیر خواہی کا جذبہ تھا اور جن کی زندگیاں اس امر کا منہ بولتا ثبوت تھیں کہ وہ انسان دوست بھی ہیں اور خادمِ خلق بھی۔ مزید برآں یہ عرض کرنا بھی غیر ضروری سا ہی معلوم ہوتا ہے کہ خدمتِ خلق کے دونوں تصور کسی طرح بھی ایک دوسرے کی نفی نہیں کرتے بلکہ ہر اعتبار سے ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں اور جس طرح خلق کی ہدایت اور اس کی اُخروی فلاح کے لیے تبلیغ و دعوت صرف وہ درست ہے جس کی بنیاد میں خدمتِ خلق کا جذبہ کارفرما ہو اسی طرح خدمتِ خلق بھی صرف وہی حقیقی اور واقعی ہے جس کے ساتھ ابنائے نوع کی ہدایت و نصیحت اور ان کی ابدی و سرمدی فوز و فلاح کا پہلو بھی موجود ہو۔ ورنہ صرف دُنیوی فلاح و بہبود کے کام بھی بسا اوقات صرف اپنی ذات کی projection اور اپنی انا کی تسکین اور حصولِ شہرت بلکہ جاہ پسندی اور اقتدار طلبی کے ذرائع بن کر رہ جاتے ہیں۔

قیامِ نظامِ عدلِ اجتماعی

فکر اسلامی نے خدمتِ خلق کے تصور کو ایک مزید سمت (dimension) قیامِ نظامِ عدلِ اجتماعی کی سعی و جہد کی صورت میں عطا کی ہے' یعنی ایک ایسا عادلانہ و منصفانہ معاشرہ برپا کیا جائے اور ایک ایسا مبنی بر قسط و عدل نظامِ اجتماعی قائم کیا جائے جس میں کوئی کسی کی حق تلفی نہ کرے' چنانچہ نہ سیاسی جبر اور حاکمانہ استبداد (political repression) باقی رہے نہ مالی و معاشی استحصال (economic exploitation) اس لیے کہ جتنی سفیہانہ و احمقانہ بات یہ ہے کہ گندگی کے ڈھیروں اور بیماری کے منبعوں اور سرچشموں سے تو کوئی تعرض نہ کیا جائے اور سارا زور دوا دارو علاج معالجے ہی پر صرف کر دیا جائے' اتنی ہی نادانی اور سادہ لوحی پر مبنی ہے یہ بات بھی کہ ایک ظالمانہ نظام کو تو قائم رکھا جائے' البتہ اس ظلم کی چکی میں پس کر معذور و بے بس ہو جانے والے لوگوں کے لیے محتاج گھر کھول کر اپنی جھوٹی نیکی اور کھوٹی رحم دلی کے جذبہ کی تسکین کا اہتمام کیا جائے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن میں کارِ نبوت اور فریضۂ

رسالت کے ہدف و مقصود کی تعبیر کی گئی ان الفاظ سے کہ:

﴿ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ﴾ (الحدید:۲۵)

''اور ہم نے بھیجے اپنے رسول واضح تعلیمات اور بین نشانیوں کے ساتھ اور نازل فرمائی ان کے ساتھ کتاب و شریعت بھی اور ایک متوازن نظامِ اجتماعی بھی تا کہ لوگ قائم ہوں عدل و قسط پر''۔

اور اس نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام و نفاذ کے لیے ضرورت پڑنے پر لوہے کی قوتِ حرب و ضرب کے استعمال کو تعبیر کیا گیا اللہ اور اس کے رسول کی مدد و نصرت ایسے اعلیٰ و ارفع مقام اور مرتبے سے۔ بمصداقِ الفاظ قرآنی:

﴿ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ﴾ (الحدید:۲۵)

''اور ہم نے اتارا لوہا جس میں حرب و ضرب کی شدید صلاحیت ہے اور لوگوں کے لیے بعض دوسرے فوائد بھی تا کہ اللہ دیکھے کہ کون ہیں وہ لوگ جو مدد کرتے ہیں اس کی اور اس کے رسولوں کی غیب میں ہونے کے باوجود''۔

اور یہی سبب ہے اس کا کہ سورۃ البقرۃ کی جس آیۂ بر کا حوالہ میں نے بالکل آغاز میں دیا تھا اور جو قرآن حکیم میں نیکی اور تقویٰ کی حقیقت کے موضوع پر جامع ترین آیت ہے اس میں ایمان کے بعد نیکی کے مظاہر عملی میں ابتدا میں ذکر ہوا انسانی ہمدردی اور خیرات و صدقات میں اپنا محبوب مال صرف کرنے کا اور اس کا اختتام ہوا میدانِ جنگ میں صبر و مصابرت کے ذکر پر۔ گویا از روئے قرآن حکیم نیکی کی چوٹی یا ''ذروۃ السنام'' یہ ہے کہ دینِ حق یا نظامِ عدلِ اجتماعی کے قیام و نفاذ کے لیے انسان نقد جان ہتھیلی پر رکھ کر میدانِ جنگ میں حاضر ہو جائے اور پھر کسی صورت میں قدم پیچھے نہ ہٹائے! چنانچہ یہی ہے وہ بات جو فرمائی تھی حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فاتحِ ایران نے سپہ سالار افواجِ ایران کے اس سوال کے جواب میں کہ جب فی الوقت ہمارے اور تمہارے مابین کوئی نزاع موجود نہیں ہے تو تم لوگ کیوں ہم پر چڑھ آئے ہو؟

حضرت سعدؓ نے فرمایا:

اِنَّا قَدْ اُرْسِلْنَا لِنُخْرِجَ النَّاسَ مِنْ ظُلُمٰتِ الْکُفْرِ وَالْجَهَالَةِ اِلٰی نُوْرِ الْاِیْمَانِ وَمِنْ جَوْرِ الْمُلُوْکِ اِلٰی عَدْلِ الْاِسْلَامِ

''ہم اس لیے بھیجے گئے ہیں کہ لوگوں کو کفر و جہالت کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی میں لائیں اور بادشاہوں کے ظلم و ستم کے پنجے سے نجات دلا کر اسلام کے عدل سے روشناس کریں!''

حضرت سعدؓ کے اس جملے میں ایک جانب تو اشارہ ہو گیا اس حقیقت کی طرف کہ ع ''میں آیا نہیں لایا گیا ہوں!'' کے مصداق اسلام کے صدرِ اوّل میں مسلمان خود کسی ''مالِ غنیمت یا کشور کشائی'' کے شوق میں نہیں نکلے تھے بلکہ ان کا نکلنا خالصتاً خدائی حکم کے تحت گویا ''مَاْمور من اللہ'' ہونے کی حیثیت سے تھا اور دوسری جانب اس جملے میں بیک وقت جمع ہو گئے فکرِ اسلامی اور تعلیم قرآنی کے وہ دونوں پہلو جنہیں میں نے ''خدمتِ خلق'' کے تصور کے ضمن میں اسلام کی عطا کردہ دو نئی سمتوں (dimensions) سے تعبیر کیا ہے۔

یہاں یہ مغالطہ نہ ہو کہ اسلام نے شاید صرف سیاسی حقوق ہی پر زور دیا ہے۔ واقعہ اس کے بالکل برعکس یہ ہے کہ اسلام نے اصل زور معاشی عدل و انصاف اور سرمایہ و دولت کی منصفانہ تقسیم اور ذرائع پیداوار پر تصرف کے عادلانہ نظام پر دیا ہے اور اس ضمن میں اپنے ہدفِ مطلوب اور مطمحِ مقصود کو تعبیر فرمایا ہے ان مبارک اور جامع الفاظ سے کہ: ﴿کَیْ لَا یَکُوْنَ دُوْلَةً بَیْنَ الْاَغْنِیَاءِ مِنْکُمْ﴾ (الحشر) ''تا کہ ایسا نہ ہو کہ سرمایہ تمہارے دولت مندوں ہی کے مابین گردش میں رہے''۔ یعنی یہ نہ ہو کہ ملک کی کل دولت سمٹ کر چند خاندانوں یا ایک مخصوص طبقے کے قبضہ و تسلط میں چلی جائے جن کا باہمی لین دین لاکھوں اور کروڑوں کے حساب سے ہو چنانچہ ایک ایک دعوت اور ایک ایک تقریب پر لاکھوں صرف ہو جائیں اور دوسری طرف ایک ایسا طبقہ ایسا وجود میں آ جائے جسے نانِ جویں کے بھی لالے پڑے ہوں اور پھر وہ حرام اور سراسر ظلم و ناانصافی

سے کمائی ہوئی دولت کی بنا پر وجود میں آئے ہوئے لکھ پتی اور کروڑ پتی لوگ اپنی دیگوں کی کھرچن ان بھوکوں کے سامنے ڈال کر حاتم طائی کی قبر پر لات ماریں اور اپنے جود وسخا کے دل خوش کن تصور سے شاد کام ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور ﷺ نے صاف صاف فرما دیا کہ حرام کی کمائی سے صدقہ وخیرات خدا کے یہاں بالکل مقبول نہیں ہے:

((اِنَّ اللّٰهَ طَيِّبٌ وَلَا يَقْبَلُ اِلَّا الطَّيِّبَ))

''اللہ خود پاک ہے اور صرف پاک چیز ہی قبول کرتا ہے''۔

حتیٰ کہ حرام خور کی دعا بھی اللہ کے یہاں مقبول نہیں:

((وَاَنّٰى يُسْتَجَابُ لَهٗ وَمَطْعَمُهٗ حَرَامٌ وَمَلْبَسُهٗ حَرَامٌ وَغُذِيَ بِالْحَرَامِ))

''اور اس کی دعا قبول ہو تو کیسے جبکہ اس کا کھایا ہوا بھی حرام کا ہے اور پہنا ہوا بھی حرام کا ہے اور اس کا سارا تن وتوش حرام کی غذا سے تیار ہوا ہے؟''

جبکہ دوسری طرف تصور دیا گیا کہ حلال کی کمائی سے انسان اگر اپنی بیوی کے منہ میں بھی لقمہ ڈالتا ہے تو اللہ کے یہاں اسے بھی صدقہ قرار دیا جاتا ہے! اور یہی سبب ہے کہ اسلام کے نظامِ خلافت کے بنیادی مقاصد میں شامل ہے وہ بات جسے خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے بیان فرمایا بیعت خلافت کے بعد اپنے پہلے خطبے میں بایں الفاظ کہ: ''تم میں سے ہر کمزور میرے نزدیک قوی ہوگا جب تک اسے اس کا حق دلوا نہ دوں اور ہر قوی میرے نزدیک ضعیف ہوگا جب تک اُس سے حق وصول نہ کرلوں!''

اور بالکل صحیح کہا ہے علامہ اقبال مرحوم نے ''نکتۂ شرعِ مبیں'' کی اس وضاحت میں کہ:

کس نباشد در جہاں محتاجِ کس

نکتۂ شرعِ مبیں ایں است و بس

الغرض جس طرح ''Prevention is better than cure'' کے مسلمہ اصول کے مطابق حفظانِ صحت کی جملہ تدابیر اختیار کر کے بیماری کا انسداد و سدِّ باب کرنا اہم تر اور مقدم تر ہے' البتہ اس کے باوجود جو بیماریاں پیدا ہو ہی جائیں ان کے ضمن میں علاج معالجے کا اہتمام بھی ضروری ہے' اسی طرح نظامِ اجتماعی کو اُن

تمام ناہمواریوں سے پاک کر کے ہر جہت سے عدل وقسط پر استوار کرنا ہر طرح اہم تر اور مقدم تر ہے تاکہ وہ محرومیاں اور ناداریاں وجود ہی میں نہ آئیں اور غربت وافلاس پیدا ہی نہ ہوں جس کے لیے صدقہ وخیرات کی حاجت ہو' البتہ اس کے باوصف اگر کوئی کسی سبب سے معذور ولاچار ہو ہی جائے تو ضرورت ہے کہ ابنائے نوع کے قلوب ہمدردی اور انسان دوستی کے جذبہ سے اس درجہ سرشار ہوں کہ وہ اپنی محبوب ترین متاع کو ان کے ازالے کے لیے صرف کرنے میں کوئی باک محسوس نہ کریں! چنانچہ یہی ہے اسلام کا جامع ترین تصورِ خدمتِ خلق جس میں وہ عام تصورِ خدمت خلق بھی شامل ہے جو سب کو معلوم ہے اور مزید برآں وہ مزید دو سمتیں بھی شامل ہیں جن میں سے ایک کا تعلق اسلام کے مخصوص نظامِ عقائد وایمانیات سے ہے اور دوسری کا انسان کے نظامِ اجتماعی سے۔ اور ان تینوں کا کامل ظہور ہوا تاریخ انسانی کے اس دور میں جس کی یاد نوعِ انسانی کی اجتماعی یادداشت (collective memory) میں بالکل اسی طرح محفوظ ہے جس طرح کسی فرد کے دل ودماغ میں کسی حسین خواب کی یاد باقی رہ جاتی ہے' اور جسے دنیا ''خلافتِ راشدہ'' کے نام سے جانتی ہے' جس میں ایک جانب انسانی اخوت اور اس سے پیدا شدہ باہمی ہمدردی ومؤاساۃ انتہائی بلندیوں پر تھیں تو دوسری جانب حریت آخری ممکنہ حد کو پہنچی ہوئی تھی اور تیسری جانب مساوات کامل ترین صورت میں جلوہ گر تھی۔ بقول علامہ اقبال مرحوم:

کُلُّ مُؤْمِنٍ اِخْوَۃٌ اندر دلش حریت سرمایۂ آب و گلش
ناشکیب امتیازات آمدہ! در نہادِ او مساوات آمدہ!

جس کی برکات کا ادنیٰ مظہر یہ ہے کہ لوگ خیرات وصدقات کا مال لیے پھرتے تھے اور انہیں قبول کرنے والا دستیاب نہ ہوتا تھا! فتبارك الله احسن الخالقين واحكم الحاكمين وآخر دعوانا ان الحمد لله ربّ العالمين۔

(یہ مقالہ لاہور گلبرگ لائنز کلب کے اجلاس منعقدہ ۲۳ر جنوری ۱۹۷۸ء میں پیش کیا گیا)